شیخ محمد علی

پیدائش محمدؐ عربی

(انسان کے استقرائی علم کی نمائندہ ہے)

قبل اس کے کہ ہم پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور ان کے منصبِ رسالت پر قلم اٹھائیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ضرورت اور باری تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے ان کے انتخابِ نبوت پر مجملاً بات چیت کا اہتمام کریں اور اس امر کی حقیقت پر بحث کریں کہ آخر خالق کون و مکان نے بنی نوع کے لیے انبیا کی ضرورت کیوں کر محسوس کی اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے کیوں کر عالمِ انسانیت سے کام لیا۔

جب ہم اس احساس کے ساتھ کہ انسانی معاشرت میں انبیائی ضرورت کیوں کر محسوس کی گئی، نگاہ اٹھا کر اس کے تاریخی پس منظر میں جھانکتے ہیں تو یہ احساس ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ انسان جس کو خالق نے خلیفۃ الارض کے منصب سے سرفراز کیا ہے، اپنی عقل اور حواس و ادراک کے بل بوتے پر اس قدر حقیر و بے بس اور ناکارہ ہے کہ اگر اس کی صحیح راہ نمائی اور مقاصد و اخلاق اور سیرت و کردار سے حقیقی روشناسی نہ پیدا کی گئی تو یہ اپنے منصب نیابت سے گر کر تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہی دیکھیے کہ یہ کبھی اس قدر افراد پر اتر آتا ہے کہ اپنی ذات کو دنیا کی بلند ترین ہستی سمجھ بیٹھتا ہے اور غرور و تکبر، سرکشی و بدمستی اور بے خودی و جہالت اس کے دماغ میں اتنی بھر جاتی ہے کہ یہ کسی بھی قوت کو اپنے سے بالاتر اور اپنے مقابل نہیں سمجھتا اور اپنے آپ کو نہایت غیر ذمہ دار و غیر جواب دہ سمجھ کر جبر و قہر کا دیوتا، ظلم و جور کا بادشاہ اور شر و فساد کا مجسمہ بن جاتا ہے اور کبھی تفریط کی طرف اتنی تیزی اور سرعت سے مائل ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے ذلیل و کمتر ہستی سمجھ لیتا ہے اور درخت، پتھر، دریا، سمندر، پہاڑ، ہوا، آگ، پانی، بجلی، چاند، سورج ستارے غرض کہ ہر اس شے کے روبرو سجدہ ریز ہو جاتا ہے، جس کے اندر اسے کوئی طاقت یا نفع و نقصان مضمر دکھائی پڑتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اگر کبھی اپنے ہی ہم نفس میں کوئی طاقت دیکھتا ہے تو اس کو بھی اپنا دیوتا اور معبود تسلیم کر کے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان نہ تو اتنا عالی مرتبہ و بلند درجہ ہے جتنا کہ وہ خود اپنے آپ کو سمجھتا ہے اور نہ اتنا گھٹیا اور ذلیل ہے جتنا اس نے اپنے

آپ کو بنا لیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا صحیح اور حقیقی مرتبہ کیا ہے اور اسے اپنے اس مرتبہ کے بارے میں کیسے پتہ چلے؟ نیز دنیا اور آخرت کی کامیابی جو کہ اسی پر منحصر ہے کس صورت ممکن ہے؟ اختتامی طرز بیان اختیار کرتے ہوئے ہم اس ضمن میں صرف اتنا عرض کریں گے کہ دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے مقاصد اور نصب العین کا تعین کرے اور بعد ازاں تشخص ان کے حصول کی جستجو کرے۔ لیکن یہاں یہ چیز آڑے آتی ہے کہ کیا بغیر کسی ہدایت و راہ نمائی کے یہ اپنی منزل پا سکتا ہے؟ اسلام نے دنیا نے آخرت کی کامیابی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ قطعی اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی، اس کی اطاعت اور بندگی میں مضمر ہے لیکن اس تمام صورتِ حال کے تحت ہمارے لیے اس سوال کا پیدا ہونا لازمی ہے کہ آخر اللہ کیا چاہتا ہے، اس کی مرضی کیا ہے اور وہ کس بات کا خواہاں ہے۔ اس لیے کہ اطاعت کا فعل اس وقت تک ناپید ہے جب تک خالق کی مرضی اور اس کی رضا معلوم نہ ہو۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ جب انسان اپنے آفریدگار و پروردگار کا اطاعت گزار بندہ بن کر زندگی گزارنا چاہے گا تو لامحالہ شعوری طور پر اس بات کی آگہی کا خواہاں ہوگا کہ اس کے خالق کے کیا احکامات ہیں جن کی اسے اطاعت کرنی چاہیے۔ نیز اس کے رب کے نزدیک کیا کچھ منکرات میں سے ہے اور کیا کچھ معروفات میں سے ہے یقیناً اہلِ فکر اس سے متفق ہوں گے کہ جب تک انسان کو یہ سب کچھ نہ معلوم ہو اس وقت تک اطاعت کا پہلا قدم اپنی منزل کی طرف کسی صورت نہیں اُٹھ سکتا ہے۔ اب یہاں پھر ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ آخر رضائے خداوندی سے روشناسی و آگاہی کا ذریعہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کافی حد تک تین چیزیں یعنی عقل۔ وجدان اور فکرِ اجتماعی ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں لیکن عقل کسی صورت قابلِ بھروسہ نہیں۔ اقبال نے عقل و ادراک پر کامل بھروسہ کرنے والوں اور اسی کے سہارے زندگی بسر کرنے والوں کی صورتِ حال کی عکاسی بڑے خوبصورت انداز سے کی ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

اور کچھ ایسا ہی حال دیگر ذرائع کا ہے یعنی اگر ہم تفصیل سے اس موضوع پر ارتباطِ بحث کا آغاز کریں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ تینوں ذرائع میں کوئی بھی ذریعہ ایسا نہیں جس سے انسان اللہ کی رضا اور خوشنودی

سکے۔ انسان اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں سمیت بے بس ولاچار تھا۔ صورت حال اس کے سامنے
ضح نہ تھی اور وہ سوچنے سمجھنے سے قطعی عاجز تھا۔ ان تمام حالات کا مطالبہ فطری طور پر یہی ہونا چاہیئے کہ
سان کو بھٹکنے اور بے راہ رو ہونے سے بچانے کی خاطر آخر اللہ کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتا۔ بے شک خالق
رض وسماء رحیم وکریم ہے۔ اس نے فطرت کے اس مطالبہ کو رد نہ کیا بلکہ انسان کو اپنی عقل کے سہارے
بھٹکتا دیکھ کر اس کی راہ نمائی اور مدد کی خاطر اپنی ہدایات و مرضیات کو اس تک کامل طریقہ سے پہنچانے
انتظام کیا۔ یہی وہ انتظام ہے جسے دینِ فطرت کی اصطلاح میں "رسالت" کہتے ہیں۔ آج یہ بات روزِ روشن
ی طرح عیاں ہے کہ انسان کے قدم ترقی وکامرانی اور بلندی وعروج پر رسالت کے بغیر ممکن نہ تھے۔ اس کے
لاوہ دعوتِ فکر اس حقانیت کا اظہار بھی بنے گی کہ رسالت کے بغیر نہ صرف اللہ کے احکامات جانے جاسکتے
ھے بلکہ خود اللہ اور آخرت کی حقیقت بھی منظرِ عام پر نہ آسکتی تھی۔ رسالت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو اللہ
صحیح معرفت اور آخرت کے صحیح علم سے آگاہ کرتا ہے نیز انسان کو عرفانِ نفس و بیداری و خودی کی منزل سے
مکنار کرتا ہے۔ رسالت کا اہم جزو وحی ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے مدلل و مبرہن
ز میں وضاحت کی ہے:

"وحی کا منشا حقائق کا انکشاف ہے یا یوں کہیے کہ وحی تھوڑے وقت میں ایسے حقائق کا انکشاف
تی ہے جن کو مشاہدہ برسوں میں نہیں کرسکتا۔ گویا وحی حصولِ علم میں وقت کا سفر خارج کرنے کی ایک ترکیب
ے۔ انسان کے ترقی کے ابتدائی مراحل میں اس ذریعہ علم کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ ان مراحل میں انسانوں
ان مقامات کے لیے تیار کیا جارہا تھا جن پر پہنچ کر وہ قوائے عقلیہ کی تقلید سے خود اپنی ذاتی محنت سے
فصود حاصل کرتے۔ محمدؐ عربی کی پیدائش انسانی ارتقا کے اس مرحلے میں ہوئی جبکہ انسان کو استقرائی علم
سے روشناس کرانا مقصود تھا۔"

اقبال اس استقرائی عمل، جسے وحی کہا گیا ہے، کی حقانیت اور سچائی کی دلیل میں مزید وضاحت کچھ اس طرح
یش کرتے ہیں:

"انبیا کے علم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے جس میں ظاہر ہے کہ غلطی اور خطا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔"

اقبال کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ محمدؐ عربی کی پیدائش ایک ایسے دور میں ہوئی جبکہ انسان کو استقرائی علم
سے روشناس کرانا مقصود تھا۔ اگر آپ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ

رسالتِ محمدیؐ کے لیے دورِ محمدیؐ کس قدر موزوں اور قوم عرب کس قدر ضرورت مند تھی۔ یہ عرب تہذیب و تمدن کے نام سے ناآشنا، علوم و فنون سے بے بہرہ اور تباہی و بربادی کے دروازے پر کھڑے انسانی معاشرے کے چہرہ پر بدنما داغ تھے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب کسی باقاعدہ و منظم حکومت کا نمائندہ نہ تھا بلکہ سیکڑوں قبائل میں بٹا ہوا ایسا خطۂ ارض تھا جہاں خود مختار قبیلوں نے کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ لوٹ مار قتل و غارت گری، بدکاری و شراب خوری اور بے حیائی عام تھی، لوگ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف برہنہ ہو جاتے یہاں تک کہ عورتیں خانہ کعبہ میں عریاں ہو کر طواف کیا کرتیں۔ مجملاً یہ کہ منکرات کی تمام اقسام یعنی بداخلاقی و بداسلوبی، بداصلی و بداطواری، بداعمالی و بدافعالی، بدانتظامی و بداندیشی، بدآئینی و بدباطنی، بدحالی و بدخصالی، بدخوئی و بددماغی، بددیانتی و بدعہدی، بدزبانی و بدسیرتی، بدطینتی و بدکاری، بدلفاظی و بدلگامی، بدمزاجی و بدمستی اور بدوضعی و بدمہری وغیرہ اوصاف کی مالک یہی قوم تھی۔ یقیناً یہ وہی حالات ہیں جب خالقیت و ربوبیت نے بنی نوع انسان کے لیے نبوت کی ضرورت کو محسوس کیا تاکہ ان تباہ حالوں کی راہ نمائی کی جاسکے اور انھیں تباہی و بدحالی اور گمراہ روی کے تیرہ و تاریک گڑھوں سے نکالا جاسکے۔ چنانچہ محمد عربیؐ کے مبعوث ہونے کی وضاحت خود خالقِ کائنات نے اس طرح کی:

”وہ خدا ہی تو ہے جس نے اُمیوں میں ان ہی میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔“ (جمعہ)

بعد از تشریح رسالت محمدی خالق ارض و سما نے اس بات کی ہدایت بھی کی کہ بھیجے گئے رسول کی اطاعت کی جاسکے:

”ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذنِ الٰہی اس کی اطاعت کی جاسکے۔“ (النساء)

اور یہیں بات ختم نہ ہوئی بلکہ اپنے کلام میں اطاعتِ رسول کا سبب یوں بیان فرمایا:

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ (النساء)

حقیقت میں یہی اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب و مقصود اسلام ہے۔ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق صرف محبت کی بنیاد ہی نہیں چاہتا بلکہ وہ اس امر کا شدت سے خواہاں ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے اس لیے کہ ابتدائے زیست سے عہدِ حاضر تک کوئی بھی پیغمبر صرف اس خاطر

نہیں بھیجا گیا کہ قوم میں اس پر ایمان لے آئیں اور زبانی محبت کا دعویٰ کریں بلکہ ان کی نبوت کا پس منظر اس مقصدِ خداوندی سے رنگین ہے کہ جہاں ان پر ایمان لایا جائے وہیں ان کی اطاعت بھی کی جائے اور تمام امورِ زیست میں ان کے احکامات کی تعمیل و تکریم کی جائے تاکہ انسانوں کے لیے فلاح و راستی کے دروازے وا ہو سکیں۔ مقصد اس مطالبہ کا صرف یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت جو عبودیت کا بنیادی مسئلہ ہے براہِ راست پختگی نہیں پا سکتی جب تک اس کا گزر اطاعتِ محمدی کے راستے نہ ہوا ہو۔ ہر ذی شعور اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ خدا کبھی اپنے بندوں سے براہِ راست معاملات نہیں کرتا بلکہ اپنی رضا اور مرتب ہدایات کو اپنے نیک بندوں جنھیں درجۂ نبوت کا حصول ہوتا ہے، کے ذریعہ انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اللہ جل شانہٗ کی اطاعت کرنی چاہی، اس کے لیے یہ ضروری ہوا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے کیونکہ اطاعت گزار اس بات سے آگاہ ہے کہ اطاعتِ محمدی اطاعتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس محفلوں میں اس امر کی بڑی واضح تشریح بیان کی ہے مثلاً ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس کسی نے محمدؐ سے نافرمانی کی اس نے اللہ سے نافرمانی کی (بخاری) ۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کیا صرف زبان سے ہی اطاعت کا اقرار کر لینا کافی ہے؟ اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ قرآنِ کریم نے بڑے واضح اور روشن لہجہ میں بنی نوعِ انسان سے خطاب کیا ہے اور صاف طور پر انسانوں کو یہ بتا دیا ہے کہ اللہ کو محمد عربی کی ظاہری اطاعت قطعاً مطلوب نہیں بلکہ انسان پورے خلوص دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کا حق ادا کرے اور اس کی معاشرتی زندگی میں جو اختلافات و مسائل اور مشکلات پیدا ہوتے ہوں ان کے لیے آپ کی طرف رجوع کرے اور وہاں سے صادر کیے گئے ہر فیصلہ کو صدقِ دل سے قبول کرے۔ یہاں اطاعت کے زمرے میں صرف احکامِ محمدی کو ہی دخل نہیں بلکہ سنتِ رسول اللہ بھی اہم مقام رکھتی ہے۔ آج جب کہ ہمارے درمیان یہ نفسِ کامل و آخر موجود نہیں تو آپ کی سنت ہماری راہ نمائی کے لیے موجود ہے۔ اس کی اطاعت خود رسول کی اطاعت ہے۔ اپنی وفات سے قبل آپ نے خود اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمھارے درمیان قرآن اور سنتِ رسول اللہ چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم مضبوطی سے اس پر قائم رہو گے

کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس اختتامی گفتگو کے بعد یہ امر کلیتہً آشکارا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ ہمارا ایمان یہی ہے کہ ہم کتاب وسنت کی سچے دل سے پیروی کریں کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے آپ نے ہمیں باری تعالیٰ کے احکامات اور اس کی مرضیات سے آگاہ کیا۔ اقبال اسی حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

باز اے آزادِ دستورِ قدیم　　　زینت پاکن ہماں زنجیرِ سیم
شکوہ سنج سختیِ آئیں مشو　　　از حدودِ مصطفیٰ بیروں مرو

مذکورہ بالا اختصاصی فکر بندی سے رسالتِ محمدی کے پس منظر پر حقیقی روشنی پڑتی ہے نیز نبوتِ محمدی کی اہمیت اور افادیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہاں ایک چیز اور عرض کرنا ہے اور وہ یہ کہ اب تک لوگوں میں انبیائے کرام سے متعلق بڑی غلط فہمیاں نشوونما پا رہی ہیں۔ مثلاً اسی بات کو لیجیے کہ آج دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو پیغمبروں کو انسانوں سے ماورا مخلوق سمجھا کرتے ہیں۔ مسلمانوں ہی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو نبی کریم کو نور یا نور سے پیدا شدہ متصور کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ محمدؐ عربی یا ان سے پہلے کے انبیا ظاہری اور باطنی طور پر عام انسانوں سے بہت بلند و بالا تھے لیکن باوجود اس کے ہمیں یہ درگزر نہ کرنا چاہیے کہ یہ سب انسان تھے نہ ان کا تعلق فرشتوں سے تھا اور نہ ہی وہ طبقہ جن سے متعلق تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ انبیائے کرام میں الوہیت کی ادنیٰ سی تشبیہ تسلیم کرنے کے بعد یہ کہنا کہ میں توحید کا پرستار ہوں نہ صرف غلط ہے بلکہ تصور وحدانیت کو شدت سے مجروح کرنے کے مترادف بھی ہے اس طرح یہ کہنا چنداں غلط نہ ہوگا کہ وہ لوگ جو انبیائے سابقین یا سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خدا کا تصور یا عکس تلاش کرتے ہیں ان تک تعلیماتِ محمدی ہی نہیں پہنچ سکی ہیں یا خود ان کا ذہن ان تعلیمات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ واضح رہے کہ ہر دور میں اور ہر عہد میں ہر نبی نے واشگاف لہجہ میں یہ اعلان کیا ہے کہ:

"میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں" (الکہف)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ نبوت میں بعض مشرکین و کفار نے یہ اعتراض کیا کہ یہ کیسے اور کیوں کر ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو ہماری طرح کھاتا اور پیتا ہو نیز ہمارے ہی جیسی ضروریات رکھتا ہو منصبِ رسالت پر فائز ہو جائے اور اگر خدا کو کوئی پیغمبر بنا کر بھیجنا ہی مقصود تھا تو بجائے اس کے کہ وہ ہمارے جیسے انسان کو مبعوث کرتا کسی فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتا۔ دیکھا جائے تو یہ نہایت طفلا

اعتراض تھا جس کے جواب میں حکمت و فلسفہ کی اٹریاں بھر دیں۔ رب کریم نے فرمایا :

"اگر اس زمین پر فرشتے ہی چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمانوں سے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے" (بنی اسرائیل)

بے شک اس اعتراض کا اس سے بہتر اور مدلل و عام فہم جواب ممکن نہ تھا حق تو یہ ہے کہ انبیائے کرام خدا اور بندوں کے درمیان رابطہ کا ایک وسیلہ ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کے فرائض نبوت میں ایک فرض جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہدایاتِ الٰہی کا کلی مظہر بنا کر دکھائیں اور کل عالم کے انسانوں کے سامنے ایک مثال اور ایک نمونہ کی شکل اختیار کریں۔ اب مان لیجیے کہ اللہ اہلِ عرب پر فرشتوں یا کسی اور مخلوق کو منصبِ رسالت سے سرفراز کرکے بھیجتا جیسا کہ قوم عرب نے اعتراض کیا تھا تو کیا نبوت کا وہ اہم مقصد جس کا نشا کل سیرت و کردار اور اخلاق محمدی میں مضمر تھے، بحسن و خوبی سرانجام دیا جا سکتا تھا یعنی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہدایت و راہ نمائی بھٹکے ہوئے انسانوں کو مل جاتی لیکن محمدؐ فرشتہ ہوتے ہوئے آخر ان احکامات پر کس طرح عمل کر پاتے جن کا تعلق خالصتاً نفسی احساسات و جذبات سے ہے۔ یہیں اقبال کا یہ خیال بدلیل ثابت ہوتا ہے کہ محمد عربیؐ کی پیدائش استقرائی علم کی نمائندہ تھی۔ اس لیے کہ نہ صرف انھوں نے انسانی مسائل کو بنظر غور پرکھا بلکہ قرآن و عملی طور پر ان کا گراں مایہ حل بھی پیش کیا۔ مختصر یہ کہ ذہنوں سے یہ احساس مٹ جانا چاہیے کہ محمد عربیؐ ماورا البشر مخلوق تھے۔ لیکن اب بھی اگر کوئی شخص نبی کریمؐ کو خدا کا نور یا ایسے ہی استراکی القابات سے نوازتا ہے تو ایک طرف تو وہ قرآن و سنت کی نفی کرتا ہے تو دوسری طرف اپنی جہل آگہی کی بدترین مثال پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھٹکے ہوئے تباہ حال انسانوں میں سے اٹھایا اور اسی کے ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے آپ کو امام و پیشوا اور ہادی و راہ نما بنایا ہے۔ یعنی یہ ذات بشریت نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد تا قیامت بنی نوع انسان کے لیے مجسم راہ نمائی اور پیشوائی کے لیے مخصوص ہو گئی اور اس کی زندگی کا مقصد قرار پایا کہ وہ اپنے طرزِ فکر و عمل سے نفس کی ظاہری و باطنی خامیوں کو دور کرکے اور انھیں تباہی و بربادی کے راستوں پر چلنے سے محتاط رکھے۔ ارشادِ ربانی ہے :

"اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ کہیے کہ اطاعت

کرو اللہ کی اور پھر رسول کی اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔" (آل عمران)

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

"تمھارے لیے اللہ کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہترین نمونہ تقلید کے لیے موجود ہے اور ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔" (آل عمران)

مذکورہ بالا آیاتِ مقدسہ سے اس امر کی بھرپور وضاحت ہوتی ہے کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہٖ تقلید و عمل کا بہترین و گرانمایہ نمونہ تھے اور اس طرح منجانب اللہ مسلمانوں اور دنیا کے تمام انسانوں کے لیے یہ لازم قرار پاتا ہے کہ اگر وہ دنیاوی مسائل و مشکلات اور قضیات و فسادات سے چھٹکارا چاہتے ہیں تو آنحضرتؐ کی تقلید اور ان کی پیروی میں واضح و صحیح رادِ حیات کا تعین حاصل کریں کیونکہ عقل اور مادیت پر بھروسہ کرنے والے نفوس کے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی راہ نجات نہیں۔

آج کی دنیا کا کوئی فرد بھی خواہ اس کا تعلق کسی مذہب اور عقیدے سے ہو وہ شعوری یا لاشعوری طور پر یہ ضرور جانتا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوتِ فکر و عمل برائے سیرت و کردار، اخلاق و معیشت، سیاست و عمرانیات، قانون و انصاف اور تعلیم و تنظیم کے لیے دی ہے وہ تمام شعبہ ہائے حیات کے مسائل اور ان کے تدارک کی خاطر نیز علوم و فنون کے فروغ و ترقی کی خاطر کس قدر دور رس و نتیجہ خیز ہے۔ یہ تعلیمات نہ صرف عہدِ نبوی میں بلکہ ہر دور اور ہر قوم کے لیے ناقابلِ عمل اور اس کی منزل کے حصول کا فقید المثال ذریعہ ہیں۔ واضح رہے کہ نبوتِ محمدیؐ پر کسی خاص خطۂ ارض کی مہر ثبت نہ تھی۔ آپؐ کسی خاص خطہ یا قوم کے لیے نبی بنا کر نہ بھیجے گئے تھے بلکہ آپؐ کا کل عالم کے انسانوں کے لیے چشمۂ فیض یابی تھا جس کی گواہی خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے دی ہے:

"اے محمدؐ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور اللہ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔" (سبا)

اس صداقت کا واضح و واشگاف اعلان آپ نے خود اپنی زبان سے بحکم خداوندی کیا۔ آپ نے فرمایا لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ (الاعراف) ہم اگر اسلامی تاریخ پر گہری نظر ڈالیں تو ہمیں نبی کریمؐ کے ساتھ جس اختصاصیت کا اظہار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ سے قبل خداوند عالم نے بھٹکی انسانیت کو راستہ دکھانے کی خاطر جتنے انبیاء و رسول بھیجے ان میں کسی کی حیثیت اتنی ہمہ گیر و یکتا نہ تھی

ایک ہی وقت میں کئی کئی انبیا کا ظہور ہوا جو مختلف علاقوں اور قوموں کے لیے مختص تھے لیکن یہ آپ کی ہی شانِ نزول ہے کہ نہ صرف آپ پہ نبوت ختم ہوئی اور آپ کو عالمگیر رسالت کی فضیلت ملی بلکہ آپ ہی ذات باعث تکمیل اسلام قرار پائی۔ ایک موقع پر آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص طور پر اپنی قوم کے لیے نبی بنایا گیا تھا لیکن میں تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے کہ جس طرح خالق نے آپ کی رسالت کو عالمگیر بنایا اسی طرح اسے لازوال بھی بنایا اور آپ کے ساتھ ہی وحی و رسالت کا طویل سلسلہ اختتام کو پہنچا اور اب قیامت تک کوئی نبی اور کوئی رسول نہ آئے گا۔ آپ کے بعد مسیلمہ کذاب ہو یا مرزا غلام احمد سب کاذب اور جھوٹے ہیں جن کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے کیونکہ انھوں نے اپنے عمل اور احساسِ فکر کے ذریعے نہ صرف خدا کے کلام کو جھٹلایا بلکہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی بھی کوشش کی۔

"وہ محمد اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔"

اس آیتِ مذکورہ کے بعد اس امر کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ کوئی شخص علم نبوت بلند کرے اور دعویٰ پیغمبری کرے۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کیوں نہ تمام ہوتی جبکہ آپ جو دین و شریعت لے کر آئے تھے وہ ہر پہلو اور ہر نہج پر کامل ہے، قبل ازیں یہ اعزاز کسی نبی کو حاصل نہ ہوا تھا۔

"لوگو! آج ہم نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کیا۔" (المائدہ)

یقیناً بعض ذہن یہ سوال کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیائے کرام علیہم السلام اپنے ہمراہ شریعت لائے اسے کیوں کر درجۂ کاملیت نہ مل سکا اور یہ اعزاز آخر کیوں کر آپ ہی کے لیے مختص ہو کر رہ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ سے قبل جو شریعتیں نازل ہوتی رہیں اور جو ہدایات جاری و ساری رہیں ان کا اثر و نفوذ جیسا کہ عرض کیا گیا ایک مخصوص علاقہ اور ایک خاص قوم ہوا کرتی تھی اور جس طرح ان کا دائرۂ نبوت محدود تھا اسی طرح مجموعہ تعلیم بھی مختصر و محدود، لیکن اس قوم کے لیے کامل تھا آخر ایک وقت ایسا آیا جبکہ اجتماعی طور پر کل عالم انسانیت کے لیے شریعت و ہدایت کی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور اس طرح دنیائے رنگ و بو میں بسنے والے نفوس کی خاطر راہ نمائی ایک ایسی شریعت قرار پائی جو کسی محدود علاقے یا مخصوص قوم کی فلاح و راستی اور راہ نمائی و سربلندی

سے، وابستہ نہ تھی بلکہ تمام کا مرکز اور محور کل انسانیت تھی چنانچہ اسی بین الانسانی فطری تقاضا کی تکمیل کی خاطر ذاتِ محمدی کو منتخب کیا گیا جو نہ صرف کل عالم کے نجات دہندہ و محسن اعظم تھے بلکہ ذاتی فکر و عمل کے لحاظ سے ایک مثالی انسان کامل بھی تھے جن کی تعلیمات و فلسفہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں بسنے والوں کے مسائل پر حاوی ہے۔ مذکورہ بالا آیت مقدسہ اسی کامل نظریہ حیات کی نوائے خوش کن تھی جس نے بعد ازاں اہل عرب کو جو تباہی و ضلالت کے گڑھے میں دفن ہو چکے تھے دوبارہ زندہ کر کے دنیا کے انسانوں سے آگے لاکھڑا کیا اور وہ عرب جو کبھی جاہل و غارت گر گردانا جاتا تھا دنیا کے لیے علم و دانش کا گہوارہ اسی شہر بنی اسی دانا سے روزگار کی سربراہی میں بن گیا۔

داستانِ ماضی دہرایئے تو معلوم ہوگا کہ دنیا سے تمام سابقہ مقدس الہامی کتب ناپید ہو چکی ہیں اور جو موجودہ ہیں وہ ہیئتی اعتبار سے مسخ شدہ ہیں لیکن ذرا دیکھیے کہ محمد عربی پر جو کلام نازل ہوا وہ جوں کا توں محفوظ ہے بلکہ تا قیامت تحفظ کی ضمانت خود خدا کی طرف سے دی گئی ہے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں بسنے والا انسان اسے اپنے مسائل کے حل کی خاطر استعمال کر رہا ہے اور کرتا رہے گا اور اس طرح یہ کتاب ہمیشہ سرچشمہ ہدایت بنی رہے گی۔ رسالت محمد عربی کا بنی نوع انسان سے پہلا مطالبہ یہی ہے کہ اب تمام سابقہ مذاہب اور شریعتیں منسوخ ہو چکیں اور اللہ کے نزدیک کل انسانوں کے لیے دینِ اسلام منتخب کیا جا چکا ہے جس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

"بے شک اللہ کے نزدیک مقبول دین اسلام ہی ہے"

چنانچہ یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تمام قومیں خواہ وہ کسی خطۂ ارض سے متعلق ہوں اسلام کو اپنا لیں اور اس کی پیروی کریں ورنہ جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اللہ کے ہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا (آل عمران)۔ کیونکہ جب اس دین کو تمام انسانوں کے لیے کامل ضابطہ حیات اور اس کے لانے والے نبی کو پیغمبر آخر قرار دے دیا گیا تو اب نہ کسی دین کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی کسی پیغمبر کی۔ بعد ازیں یہ تقاضہ فطری ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ کا انسان آپ پر ایمان لائے اور دینِ اسلام کی راہ نمائی میں اپنی منزل کے حصول کی جد و جہد کرے۔ ہمیں اس امر کا ثبوت کہ اسلام مذہب آخر و کامل ہے خود نبی کریمؐ کے عمل سے ملتا ہے اور وہ یہ کہ اگر اللہ کے نزدیک سارے دین اور ساری شریعتیں سچی اور درست ہوتیں اور صرف کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہوتی تو

اس کا یہ شعوری تقاضا ناگزیر تھا کہ نبی کریم یہود و نصاریٰ کو دعوتِ اسلام نہ دیتے صرف اس لیے کہ وہ خود اہل کتاب ہیں اور اگر اسلام کی طرف رغبت دلاتے بھی تو یقینی امر تھا کہ وہ مسلمان ہونے پر قطعاً زور نہ دیتے لیکن اس کے برخلاف ہماری نگاہیں دیکھتی ہیں کہ آپ نے بجائے اس کے کہ ان کو تلقین کریں کہ توریت و انجیل کی پیروی کرو ببانگ دہل قبولِ اسلام کی دعوت دی اور اسلام کو ان کے لیے لازمی قرار دیا۔

"اے اہل کتاب اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے جبکہ وہ اس کتاب کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق بھی ہے جو تمھارے پاس ہیں قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑیں اور انھیں پیچھے کی طرف پلٹ دیں اور ان پر لعنت بھیجیں" (النسا)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہ صرف بحکم خداوندی ان اہل کتاب کو دیگر کافرین و مشرکین کی مانند ایمان لانے کی دعوت دی بلکہ جنھوں نے ایسا کرنے سے گریز کیا انھیں واضح الفاظ میں کافر قرار دیا۔ فطری طور پر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجانی چاہیے کہ اگر سابقہ شریعتیں یا الہامی کتب کامل اور جامع ہوتیں تو آخر اللہ کو جو ہر چیز کا جاننے والا ہے اور ہر شے پر قادر ہے کیوں کر رسالتِ محمدی کی ضرورت اور نزولِ قرآن کا احساس ہوتا۔ رسالتِ محمدی کا سبب بھی یہی تھا کہ ایک طرف تو الہامی کتابیں مسخ ہو چکی تھیں اور ان کی زبانیں دنیا کی مردہ زبانوں میں داخل ہو چکی تھیں اور دوسری طرف انبوہِ انسانی کسی ہدایت و راہ نمائی کے بغیر وحشت و ضلالت اور گمراہی و بدروی کے تاریک اندھیروں میں غلطاں تھا۔ یقیناً جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ان حالات کا تقاضا یہی تھا کہ ایک ایسی شریعت کا اہتمام کیا جائے جس نے نہ صرف عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کو پورا کیا بلکہ تاقیامت دنیا اس سے استفادہ کرتی رہے گی۔ چنانچہ اب اس بات کی وضاحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کہ دینِ اسلام و اطاعتِ محمدی ہی شرطِ نجات ہے ورنہ وہ شخص جس نے ایسا نہ کیا وہ آخرت میں قطعی نامراد رہے گا (آل عمران)۔

غرض کہ محمد عربی کا وجود بھٹکی ہوئی تباہ حال انسانیت کے لیے راہِ نجات تھا۔ ان کے وجود سے انسان کو استقرائی علم سے روشناسی حاصل ہوئی اور اس نے اپنے مقام اور درجے کو سمجھا۔ اب ابتدا سے وجودِ انسان سے آخر زیست تک یہ فخر و اعزاز صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے کہ وہ ایک نادرین و گراں مایہ تعلیم دینے والے تھے جس نے صرف فکری ہی نہیں بلکہ عملی طور پر دنیا کو روشن و درخشاں اصولوں سے نوازا۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال حجۃ الوداع کا موقع ہے جبکہ آپ نے

خدا کے آخری پیغام کو مدلل طور پر شمع نبوت کے پروانوں کو سنایا، باطل رسوم و رواج کو توڑا، انسانی برادری کے بے نظیر رشتہ کی وضاحت کی اور اپنی اس تعلیم کو اپنے کردار و عمل سے یوں منور کیا۔

"آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کیے جاتے ہیں تم ایک دوسرے کے خون کو معاف کر دو۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان اور اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ لوگو آج سے جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار باطل کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار ختم کرتا ہوں۔"

مجھے بتایئے کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جس کے نمونہ فکر و عمل کی نظیریوں پیش کی جا سکے۔ جس کی ہدایاتِ کامل ذاتی مثالوں کی تشریح سے باعثِ تقلید و عمل بنی ہوں اور جس کی ذات نہ صرف مسلمانانِ عالم بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی باعثِ عزت و سرفرازی سمجھی جاتی ہو۔ اس ضمن میں مارگولس جیسے مشہور مصنف و سوانح نگار کے درج ذیل جملے پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے جو محمد عربیؐ کی ہمہ گیر عظمت پر ایک غیر مسلم کا سلام و نذرانہ عقیدت ہے:

"THE BIOGRAPHERS OF THE PROPHET MOHAMMAD FROM A LONG SERIES THAT IS IMPOSSIBLE TO END BUT IN WHICH IT WOULD BE HONOURABLE TO FIND A PLACE."

پیغمبرِ انسانیت

از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

سیرت رسول پر یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں صرف واقعات درج کر دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے کہ زندگی کے نازک سے نازک مراحل میں آنحضرتؐ نے انسانیت اور اعلیٰ انسانی قدروں کی کس قدر حفاظت فرمائی ہے۔ صفحات: ۶۲۸ — قیمت ۱۲/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ ... ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور